عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

جمادی الاوّل ۱۴۲۵ھ / جولائی ۲۰۰۴ء

جلد دوم:

شمارہ: ۱۱

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
انتخاب شیخ	حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ	۳
اصلاحی مجلس	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۹
حفاظتِ قرآن مجید	سید سعید اللہ مازارہ	۱۶
اطلاعِ خلافت واجازت	ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۲۵
تعزیت کے آداب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۲۶

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

انتخاب شیخ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

یار باید راہ را تنہا مرو

بے قلاؤزاندریں صحرا مشو

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ شیخ یا پیر کا دامن پکڑو، بغیر پیر کے یہ سفر بہت زیادہ خطرات کا حامل ہے۔ سفر سے یہاں مُراد توحید کی راہ، جنت کی راہ، اسلام کی راہ اور خدا تک پہنچنے کی راہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی چیز بغیر راہ نما کے طے نہیں ہوتی۔ جو چیز جتنی نازک ہوگی، گہری ہوگی، پُر پیچ ہوگی اسی قدر اس کے لئے کامل رہنما کی ضرورت ہوگی۔ اس بناء پر انبیاء علیہم السّلام سب سے زیادہ کامل سب سے زیادہ جاننے والے اور اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ جس راہ کے رہنما ہیں انسان اس کو تجربہ کی بناء پر طے نہیں کرسکتا۔

پیر کسے کہتے ہیں؟ پیر سے مُراد وہ رہنما ہے جو انسان کو ہدایت کے راستہ کی اونچ نیچ، اخلاقی اور روحانی مُشکلات اور دین کے بارے میں جو ضروریات پیش آئیں ان کی نشان دہی کرے۔ یہ وہ شخص ہوگا جو اس راہ سے گزر چکا ہو، اگر رہنما نہیں ہوگا تو ان راہوں چلنا صرف نقشہ کے ساتھ صحراؤں میں سے گزرنے کی طرح مُشکل ہے۔

یار باید راہ را تنہا مرو

بے قلاوز اندر ایں صحرا مرو

وجہ کیا ہے۔ کوئی لائن ہم کو معلوم نہیں۔ پیر کا کام کیا ہے۔ اور پیر کی ضرورت کیوں ہے؟ دین نری معلومات کا نام نہیں، دین عملی زندگی کا نام ہے، جو انسان کے قلب اور جسم دونوں کے لیے ہے۔ دل اصل ہے اور جوارح اس کے تابع ہیں۔ دل بنتا ہے تو جسم بنتا ہے۔ کوئی عمل بغیر دل کے اشتراک کے عمل نہیں بن سکتا۔ آپ ظاہراً نماز پڑھتے ہیں اور دل میں اخلاص نہیں تو نماز نہیں ہوگی۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج میں نیت فاسد ہے تو یہ سب وبال ہیں اور بے کار ہیں۔ اعمالِ ظاہری اپنی قبولیت کے لیے دل کے محتاج ہیں۔ اعمال میں رونق آتی ہے اللہ تعالیٰ کے دھیان سے، جو کہ دل کا عمل ہے۔ توکل، رضا بالقضا اور باقی جتنے اخلاق ہیں سب کے سب دل کی صفات ہیں۔ حسد، بُخل، کینہ، ریا اور شہوات سب دل کے ساتھ متعلق ہیں۔ دل کے بننے سے انسان بنتا

ہے۔دل کا معاملہ انتہائی باریک ہے بغیر اچھے اور ماہر مصلح کے انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔دل کے ساتھ نفس لگا ہوا ہے اور نفس کے مکائد اشد اور بہت گہرے ہوتے ہیں۔ایسے داؤ اور گھات سے انسان پر حملہ کرتا ہے کہ انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا۔بعض اوقات بُرائی کو اچھائی بتا کر انسان کو راہ راست سے دور لے جاتا ہے۔پھر نفس کے ساتھ شیطان بھی ملا ہوا ہے۔اب جو راہ حق کا چلنے والا ہے اس راہ میں شیطان آتا ہے اور ایسے طریقے بتاتا ہے کہ ہر قدم پر انسان کے قلا بازی کھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔مولوی کے ساتھ شیطان بھی مولوی ہوتا ہے اور صوفی کا شیطان بھی صوفی ہوتا ہے۔اگر شیطان کو مولویت اور تصوف نہ آتا ہو تو مولویوں اور صوفیوں کو کیسے گمراہ کرے گا۔اچھے اچھوں کو ایسا دھوکا دیتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔مثلاً نماز ہے جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (طٰہٰ:۱۴)

ترجمہ: نماز کو میری یاد (ذکر) کے لئے قائم کرو۔

تو بعض لوگوں کو یہ سبق سکھاتا ہے کہ جب تم کو اللہ کی یاد حاصل ہے جو نماز کا مقصود ہے تو پھر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔یہ نفس اور شیطان کے حیلے ہیں اور ان سے وہ اچھے اچھوں کو شکار کرتے ہیں۔جو کامل ہوگا وہ ان حربوں کو جاننے والا ہوگا۔

ایک دفعہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مراقبہ میں تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ پورے کے پورے اُفق پر ایک نور چھا گیا اور اس نور سے ایک آواز آئی کہ اے عبدالقادر تو واصل باللہ ہو گیا اور اپنے مقام کو پہنچ گیا، تمام مشقتیں تم سے ساقط ہو گئیں۔شیخ نے کہا کمبخت تو مُجھ کو دھوکہ دیتا ہے۔وہ جو نور تھا ظلمت میں بدل گیا اور شیطان نے کہا کہ اے عبدالقادر اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا۔کہا کمبخت اب بھی باز نہیں آتا علم کی وجہ سے نہیں بچا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل نے بچایا۔

شیطان اور نفس کے مکائد کو جاننے کے لئے رہنما کی ضرورت ہے۔جب تک رہنما نہ ہو تو شیطان کے داؤ پیچ کو سمجھنا بہت مُشکل ہے۔انسان کو یہ راہ بتدریج طے کرنی چاہئے۔چونکہ سالکین خیر کے حریص ہوتے ہیں حرص کی بناء پر نفس کہتا ہے کہ اگلی چیز اختیار کر، تو اس سے بوجھ زیادہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جو ناقابلِ برداشت بن جاتا ہے۔مربی حقیقی وہ ہے جو ابتداء میں لوگوں کی تربیت چھوٹی چیزوں سے شروع کرتا ہے اور بعد میں بڑی چیز پر لگاتا ہے۔پیر اور مُرید کی مثال حکیم اور مریض کی ہے۔وہاں بیماری جسمانی ہے جس کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور یہاں بیماری روحانی ہے۔قرآن میں منافقین کے بارے میں آتا ہے فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ

مَرَضٌ (ان کے دلوں میں مرض ہے)۔ یعنی نفاق اور کفر وشرک وغیرہ کا مرض ہے۔ ان امراض کو سمجھنے کے لئے طبیب روحانی کی ضرورت ہے۔ اگر طبیب روحانی اس چیز کو نہ جانے تو آگے بات نہیں چلتی۔ روحانی بیماری کے مختلف عوارض ہوتے ہیں۔ اگر صحیح پیر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا ہوگا تو معاملہ گڑ بڑ ہوگا۔ جس طور پر حکیم مرض کے آثار کو دیکھ کر علاج کرتا ہے اس طور پر بعض امراض جو اندر ہوتے ہیں ان کے اثرات باہر ہوتے ہیں۔ انسان کمزور ہوتا جاتا ہے کبھی سر میں درد اور کبھی ہڈیوں میں درد ہوتا ہے تو جنرل ٹانک بتاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مرض دوسرے مرض کا شاخسانہ ہوتا ہے یا نتیجہ ہوتا ہے کسی اندورنی مرض کا۔ طبیبِ حاذق مرض کی جڑوں کو دیکھے گا کہ جڑ درست ہو جائے تو باقی مرض ٹھیک ہو جائے گا۔ اور جو نیم حکیم ہوگا وہ ٹہنیوں اور شاخوں کی تراش خراش کرے گا۔ پختہ لوگ ملکات کو دیکھتے ہیں کہ اگر وہ درست ہو گئے تو اس کے نتیجہ میں باقی امراض ٹھیک ہو جائیں گے۔ مثلاً کسی کے اندر انانیت یا کبر ہے تو بقول حضرت تھانویؒ کے سارے گُناہ کبر کے انڈے بچے ہیں۔ اگر کبر کا علاج ہو گیا تو بہت سے امراض جو کبر سے پیدا ہوتے ہیں دور ہو جائیں گے۔ حسد ہے جو کئی صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ ان ملکات کا علاج کرے گا کہ یہ بیماری کس وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ مُجھ جیسا عطائی کیا جانے کہ بیماری کی جڑ کیا ہے۔ لیکن جو صحیح محقق پیر ہوگا وہ جڑ اور منشاء کو دیکھے گا۔ تو ان تمام باریکیوں کو بتانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اس لئے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پڑتا ہے۔ پیر کے ساتھ جو تعلق ہے وہ صرف ہاتھ دینے تک محدود نہیں اور نہ ہی صرف ہاتھ دینا مقصود ہے۔ حقیقت میں پیر سے جو فیض ملتا ہے وہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ مقصود تربیتِ باطنی ہے جو شیخ کی تعلیمات پر موقوف ہے۔ پیر یا شیخ خاص خاص باطنی امراض کے لئے علاج بتائے گا اور ساتھ بدرقہ (مددگار) کے طور پر قوت دینے کے لئے ذکر بتائے گا۔ ذکر سے دل میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا نور پیدا ہوگا اور دل غیر سے فارغ ہو کر خدا کی صفات کا لینے والا بنے گا اور دل کے امراض خارج ہوتے جائیں گے۔ حُبِ دُنیا تمام بُرائیوں کی جڑ ہے، اسی طرح کبر تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ڈاکٹر نے آپ کو دوائی بتائی، قوت کی بھی دوائی دے دی لیکن تیمارداری بھی ساتھ ضروری ہے۔ اگر تیمارداری نہ ہو تو دل کو سکون نہیں ملے گا۔ جیسے ڈاکٹر سے سکون ملتا ہے اسی طرح شیخ کی صحبت بھی تیمارداری کے مثل ہے۔ اور جس طرح آج کل **Family Doctor** ہوتا ہے جس کو تمام بیماریوں اور حالات کا پتہ ہوتا ہے۔ اگر روزانہ ڈاکٹر کو بدلتا رہے تو روزانہ نئے ڈاکٹر کو تمام قصے اور مرض کا حال

بتانا لازم ہوگا جبکہ فیملی ڈاکٹر کو اکثر باتوں کا پتہ ہوتا ہے۔ اسی طرح پیر بھی ایک ہونا چاہئے اور اس کا فیملی ڈاکٹر کی طرح معالج کے رُخ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پیر نائبِ حق و نائبِ نبوت ہوتا ہے۔ پیر وہی ہوگا جس کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہو۔ جیسے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوئے، تابعین صحابہ سے اور تبع تابعین تابعین سے فیض یاب ہوئے اور اصحاب کاملین تبع تابعین سے اور اسی طرح رفتہ رفتہ وہ نور کی شعاع نسلاً بعد نسل سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی رہی۔ اگر آپ ایسے شیخ کے پاس بیٹھے اور خود ساختہ حجابات نہ ہوں اور صحبت کی رکاوٹیں نہ ہوں تو اہل دل کی تاثیر معلوم ہو جائے گی۔ ڈاکٹر بھی علاج کرتا ہے اور پچاس مریض ہوں تو کل کے کل صحت یاب نہیں ہوتے۔ اکثریت جب صحت یاب ہو جاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ڈاکٹر عطائی نہیں ہے بلکہ مستند ہے۔

معیار شفاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے۔ جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے قربت ہوگی اتنی ہی اللہ تعالیٰ روحانی تندرستی عطا فرمائیں گے۔ جتنے بھی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کریں گے تو یہ شیخ کا کمال اور مقبولیت ہوگی۔ انسان خود اپنا علاج نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے علاج کرواتا ہے یہی معاملہ روحانی امراض کا بھی ہے۔

جو آگ کی تاثیر وہی عشق کی تاثیر

ایک سینہ بہ سینہ ہے ایک خانہ بہ خانہ

عشق دل سے دل کو لگ جاتا ہے۔ کبھی آپ لوگوں نے آتشی شیشہ دیکھا ہوگا۔ آتشی شیشہ کو سورج کے بالمقابل کر کے اس کا عکس کاغذ کے اوپر ڈالو تو کاغذ جل جائے گا۔ اہلِ دل کے آتشی شیشے کو اپنے دل کے متوازی کر لو تو دل اللہ کی محبت و سوز سے جل اُٹھے گا۔ جو بھی اخلاص کے ساتھ دل جلوں کے ساتھ بیٹھے گا تو کوئی نہ کوئی چنگاری کبھی تو پہنچ جائے گی۔ جیسے پرنالہ سے پانی نیچے گرتا ہے تو پانی کے چھینٹے ادھر اُدھر بھی گر جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی رحمت کا جو پرنالہ شیخ پر بہتا ہے اس کا چھینٹا ادھر اُدھر بھی گر جاتا ہے۔

صحبتے با اہل دل نور و سرور و حضور

شیخ اپنی ذات سے فانی ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی مٹاتا ہے۔ ان کی مثال محض ایک ''نے'' کی ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ نے بانسری میں بانسری بجانے والے کی آواز کی مثال دی ہے۔ بانسری میں آواز اوپر سے آتی ہے۔ جتنے بھی بزرگ ہیں ان کی مثال بجلی کے کھمبوں کی طرح ہے۔ اصل چیز وہ پاور ہاؤس ہے جہاں سے

بجلی آتی ہے اور وہ سینۂ نبوت ہے جہاں سے فیوض و برکات آتے ہیں۔ وہی سراجِ منیر ہے۔ ہمارے اور آپ کے دل خالی ہو جائیں تو ہو جائیں لیکن دُنیا میں اب بھی روشن دل حضرات موجود ہیں، ان سے دل ملاؤ تو تمہارے دل بھی روشن ہو جائیں گے۔ اپنے دلوں کو اہلِ دل کے دلوں سے متوازی کرو، ان سے مطابقت و مناسبت پیدا کرو، موانع ختم کرو تو ان کے قلوب سے تمہارے قلوب روشن ہو جائیں گے۔

حضرت تھانویؒ نے شیخ سے استفادہ کے چار اصول بیان کئے ہیں۔ اوّل اعتقاد، کہ یہ یقین ہو کہ مُجھے اس شیخ سے اوروں کی نسبت زیادہ فائدہ پہنچے گا، کسی اور شیخ کی بے حرمتی بھی نہ ہو۔ اعتقاد میں تمام چیزیں آجائیں گی۔ جب معتقد ہو گئے تو اس کو تنقید سے بالا سمجھو۔ تقلید و تنقید اکھٹی نہیں چلتیں۔ دوسری بات اعتماد ہے کہ شیخ جو بات شریعت کی تابعداری میں بتائے اس پر پورا پورا اعتماد ہو کہ شیخ نے جو بات بتائی یا میرے لئے جو چیز تجویز کی اس میں سراسر میرا ہی فائدہ ہے۔ تیسری بات انقیاد ہے، کہ پہلے سو دفعہ سوچو اور پرکھو۔ جب ایک دفعہ شیخ کا دامن پکڑ لیا اور شیخ صحیح ہے تو یک گیر و محکم گیر ہو اور اس پر دارو گیر نہ کرو۔ کہ شیخ کیا کر رہا ہے بلکہ جو راہ بتائی اس پر چلے چلو۔

چوتھی چیز وہ اطلاع ہے۔ جیسے ڈاکٹر حکیم کی بات ہے۔ وہاں تو با قاعدہ چارٹ ہوتا ہے جس میں درجۂ حرارت اور دیگر ٹیسٹ وغیرہ سب لکھے ہوتے ہیں۔ سیکھنے والے طالب علم ڈاکٹروں سے بھی رپورٹیں لکھواتے ہیں وہ با قاعدہ مرض کی History لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر کو با قاعدہ اپنی حالت کی اطلاع دیتے ہیں کہ میرے دل کی کیفیت کیا ہے مُجھے فائدہ ہوا یا نہیں۔ اسی طرح شیخ عالم الغیب نہیں ہے اس کو بھی با قاعدہ اپنی حالت کی اطلاع دینی ہوتی ہے۔ پیر کی شناخت کیا ہے۔ میرے حضرت سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا۔

لَا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ ٥ (یٰسٓ:۲۱)

اے میری قوم اللہ کے ایلچیوں کی بات مان لو جو دُنیاوی فائدہ کے طالب نہیں۔

اصلاً پیر مرید سے دُنیاوی مفاد کا طالب نہ ہو۔ اگر وہ اپنی ضروریات کو مُرید سے پورا کرتا ہے تو وہ پیر نہیں۔ مقاصدِ دینوی کے لئے پیر نہیں ہوتا۔ اگر وہ مقاصدِ دینوی کے لئے پیری مُریدی کرتا ہے تو وہ بازاری ہے۔

" مھتدون "، یعنی ہدایت یافتہ ہے۔ اور ھدایت یافتہ وہ ہے جو شریعت کا پابند ہے۔ اگر شریعت

کے خلاف چلتا ہے تو ہدایت یافتہ نہیں۔ جیسے ڈاکٹر رجسٹرڈ ہوتا ہے اسی طرح پیر کا سلاسل کے ذریعہ تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہوا ہو۔ چونکہ یہ باطنی سلسلہ ہے اس لئے اس کے زمانہ کے اہلِ حق علماء ومشائخ اس کے اہل حق ہونے پر گواہی دیتے ہوں اور اس کے اکثر متعلقین شریعت کی راہ پر چلنے والے ہوں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۱ سے) جیسے ایک ڈوم نے سنا تھا کہ رمضان شریف کا چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہوجاتا ہے، تو اس نے کہا کہ میں دیکھوں گا ہی نہیں۔ چنانچہ چاند سے چھپ کر ایک کوٹھڑی میں جا چھپا، وہاں ہی پیشاب پاخانہ شروع کیا تاکہ آسمان کی طرف نگاہ ہی نہ اٹھے۔ مگر کئی روز کے بعد بیوی نے تنگ آکر گھر سے نکال دیا۔ ایک دن جنگل میں صبح کو تالاب کے کنارے آب دست کر رہا تھا کہ پانی میں چاند کا عکس نظر آگیا تو کہنے لگا بڑ جا آنکھوں میں بڑ جا (گھس جا) کردے روزہ فرض۔

تو اللہ کے بندو! تم خدا کے رستہ سے کیوں ڈرتے ہو۔ بخدا یہ تو بہت آسان رستہ ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی بھی کریم نہیں۔ سلاطینِ دنیا میں تو قاعدہ یہ ہے کہ باغیوں کے لیے وارنٹ جاری ہوتے ہیں اور اگر کبھی باغی خود حاضر ہوجائے تو گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ یہاں کس قدر رحمت ہے کہ باغی خود آجائے اور عاجزی ظاہر کرکے معافی چاہنے لگے تو فوراً قبول کرلیتے ہیں ؎

وگر خشم گیرد بکردار زشت — جو باز آمدی ماجرا دردر نوشت

ترجمہ: اگر برے کاموں سے غصہ ہوجائیں تو جب تم ان سے باز آجاتے ہو تو معافی دیدیتے ہیں۔

اور وہ یوں فرماتے ہیں ؎

باز آ باز آ آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہہ ما درگہہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ: واپس آجاؤ واپس آجاؤ جو کچھ بھی ہو واپس آجاؤ۔ تم کافر، آتش پرست یا بت پرست ہو تب بھی باز آجاؤ۔ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں سو بار بھی اگر توبہ توڑ چکے ہو تو واپس آجاؤ۔

(وعظ الصبر والصلوۃ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی مختلف شیون ہوتی ہیں۔اولیاء اللہ کے مختلف رنگ ہوتے ہیں کسی پر کوئی رنگ غالب ہوتا ہے اور کسی پہ کوئی رنگ ۔حضرت جنیدؒ بغدادی کی مجلس میں لوگ آتے تھے تو اُن کو فیض ہوتا تھا لیکن دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور اُن پر وہ رنگ غالب آتا تھا۔اور ابن سیرینؒ لطائف وظرائف بیان کر کے لوگوں کو ہنساتے تھے اور اُن کی باتوں سے بھی فیض ہوتا تھا۔بعض بزرگ گوشہ نشین ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کو دین کی طرف دعوت دے کر بلاتے ہیں۔بعض کا تعلق گوشہ نشینی والا ہوتا ہے کہ کسی سے ملتے بھی نہیں ہیں اور اُس کی مثال اویس قرنیؒ ہیں۔

شیون جمع ہے شان کی۔جس کو آپ لوگ کہتے ہیں پیٹرن (Pattrens) کہ Pattern of relations with Allah کہیں تو آپ سب سمجھ جاتے ہیں۔لیکن اگر شیون اور شان کہیں تو کہتے ہیں کہ پتہ نہیں اس کا کیا معنیٰ ہوتا ہوگا۔پہلے میں آپ کو دو کہانیاں سناؤں گا۔ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ ٹیلی فون کیا کرتے ہیں کہ FCPS-II کا امتحان قریب آگیا ہے اس کے لیے دعا کریں تاکہ میں پاس ہو جاؤں ۔ محکمہ والوں نے بڑا پریشان کیا ہوا ہے، بڑی کھپ ڈالی ہوئی ہے سر۔آگے بھیجا ہوا ہے ڈیوٹی پر۔سارا دن وہاں جھک مارنا پڑتی ہے۔یہ کرنا پڑتا ہے، وہ کرنا پڑتا ہے۔جب اُنھوں نے یہ باتیں کیں تو مجھے دل میں خطرہ ہوا کہ یہ آدمی پاس نہیں ہوگا کیونکہ فریضہء منصبی جس کے لیے اس کو تنخواہ دی جارہی ہے اس کو کھپ کہہ رہا ہے اور جھک مارنا کہہ رہا ہے۔پشتو میں جس کو کہتے ہیں ”خوارے دل“ یعنی جھک مارنا اور کھپ لگائی ہوئی ہے کہہ رہا ہے۔میرے بھائی اسکی تو آپ نے تنخواہ لی ہوئی ہے اور جب آپ نے فرائض و واجبات و سنتِ مؤکدہ پورے کر لیے تو اُس کے بعد یہ آپ کی عبادت ہے۔آج ایک ساتھی ملنے کیلئے آئے تو اُنھوں نے کہا کہ جب جماعت میں چلا جاؤں تو تہجد کے لیے بھی اُٹھتا ہوں، باقی نمازوں کی بھی باقاعدگی اور پابندی ہو جاتی ہے، ذکر کی بھی توفیق مل جاتی ہے اور پابندی ہو جاتی ہے لیکن جب میں گھر واپس آجاتا ہوں تو پھر اُٹھ نہیں سکتا ہوں، ذکر بھی نہیں ہوتا اور ذکر میں دل بھی نہیں لگتا۔تو اب روحانی بیماری کی تشخیص کرنی ہوتی ہے، اُس کی وجوہات ہوتی ہیں۔میں نے اُس سے کہا کہ آپ کو تو جماعت میں آرام کا کافی وقت ملتا ہے صبح ناشتے کے بعد سونا، دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد سونا اور رات کو سونا کہ فارغ ہو کر آدمی جونہی لیٹتا ہے آدمی کو نیند آجاتی ہے تو آدمی کو بڑا آرام ملتا ہے، گھر پر وہ آرام نہیں ملتا ہوگا اسلئے آپ اُٹھ نہیں سکتے اور آپ کو تھکاوٹ ہوتی ہے۔تو

اُس شخص نے جواب دیا کہ نہیں جی جماعت میں تو میں دن کو نہیں سوتا ہوں بس صرف رات ہی کو سوتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا پھر دوسری بات پوچھی کہ آپ ٹیلی وژن دیکھتے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں دیکھتا ہوں۔ عام طور پر لوگ خبریں سننے کو ٹیلی وژن دیکھنا نہیں کہا کرتے، تو اس لیے اُس کو علیحدہ پوچھا کہ خبریں سُنا کرتے ہو؟ کہا کہ نہیں جی خبریں بھی نہیں سُنتا ہوں۔ تو دوسرے سوال کو بھی جواب ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ آپ کس کے ساتھ بیٹھتے اُٹھتے ہیں، آپ کا زیادہ وقت کہاں لگتا ہے اور آپ کا بیٹھنا اُٹھنا کن کے پاس ہوتا ہے؟ کہ اگر آدمی غافل لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے اور غفلت کی باتیں کرتا ہے اُن کو سُنتا ہے اور فضول اور لایعنی بولتا رہتا ہے تو اُس سے باطن میں غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اُس نے کہا کہ میں بیٹھتا اُٹھتا بھی کسی کے پاس نہیں ہوں اور گھر پر ہی ہوتا ہوں اپنے بال بچے، بہن بھائی کے ساتھ۔ ایسے اپنی ایک مثال یاد آئی اس کو بیان کرتا چلوں کہ ہمارے ایک قریبی اور اچھے دوست تھے، ہسپتال میں ڈاکٹر تھے اور چار ماہ بھی لگے ہوئے تھے لیکن میں نے یہ محسوس کیا کہ جب بھی اُن کے پاس گیا تو وہ مریضوں کو دیکھ رہے ہوں تو ظہر کی نماز کی تکبیر اُولیٰ ضائع ہو جاتی ہے۔ تو اُس کے ساتھ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُس کے پاس جاتے ہی اور بیٹھنے کے ساتھ ہی اُس کو میں تکبیر اُولیٰ کے فضائل والی حدیث سُنا دیتا تھا۔ تو اُس دن اُس کو بھی توفیق ہو جاتی تھی اور مجھے بھی ہو جاتی تھی کہ بیٹھتے ہی میں کہتا کہ دیکھو یار وہ تکبیر اُولیٰ رہ جاتی ہے ہم سے اور تکبیر اُولیٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **التکبیرۃ الاولیٰ خیرٌ من الدنیا و مافیھا** ''کہ تکبیر اُولیٰ دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔'' تو جس دن میں اُس سے ملتا تھا اور میرا خیال نہیں ہوتا تھا اور اُس کو یہ فضیلت نہیں سناتا تھا اُس دن تکبیرِ اولیٰ رہ جاتی تھی۔

ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب ہوتے تھے۔ وہ تارکُ الصلوٰۃ تھے۔ نماز کے مکمل تارک کہ جمعہ بھی نہ پڑھنا، عید بھی نہ پڑھنا، ہماری ڈیڑھ بجے نماز ہوتی ہے تو اگر اُن کے پاس میرا بارہ بجے یا ساڑھے بارہ بجے جانا ہو جاتا تھا تو یا جماعت ضائع ہو جاتی تھی یا تکبیرِ اُولیٰ رہ جاتی تھی۔ یہ مجلس کی تاثیر ہوتی ہے۔ تو خیر اُس شخص کی بات ہو رہی تھی تو اُس شخص نے بتایا کہ بیٹھنا اُٹھنا بھی میرا کسی کے ساتھ نہیں ہے تو ظاہراً ہماری جو تشخیص ہوتی ہے اُس میں کوئی سبب معلوم نہ ہوا۔ اُس کے بعد اُنھوں نے کہا کہ دراصل دفتر میں بڑی ٹینشن (یعنی ذہنی واعصابی تناؤ) رہتی ہے۔ تو میں نے پوچھا کہ دفتر میں ٹینشن کیوں رہتی ہے؟ وہاں پر آپ کو تکلیف و اضطراب کا حال کیوں رہتا ہے؟ تو اُنھوں نے کہا کہ اصل میں میں کامرہ میں ہوں اور وہاں جو چیزیں فیکٹری تیار کر رہی ہے اُس کو ISO9001 کے معیار پر تیار کرنا ہوتا ہے۔ تو آجکل کے لوگوں کی عادت یہ ہے کہ ہمارے

ڈاکٹروں کی بھی کہ یہ مخفف الفاظ بول کر بات کرتے ہیں۔یعنی Abbreviation میں بات کرتے ہیں۔ اور ہمارے زمانے میں مخفف الفاظ کا استعمال بہت ہی کم تھا۔اسلئے میں بورڈ پر بھی اگر لفظ لکھتا ہوں تو پورا لکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اچھا پہلے تو یہ ISO 9001 کیا چیز ہے مجھے آپ یہ سمجھائیں ۔اُس نے کہا کہ یہودیوں نے ایک بات کی ہوئی ہے کہ جو چیز جہاں بھی پیدا ہوتی ہو۔اُس کو عالمی ادارہ برائے معیار "International Standard Organization" پر پیش کیا جائیگا اگر اُس پر پورا اُترے گا تو تب اُس کی Export یعنی برآمد کی اجازت دی جائیگی۔ ہماری معلومات میں نئی بات آئی کہ ہم جو چیز بنائیں جب تک امریکہ اُس کو پاس نہیں کریگا ہم نہیں بیچ سکتے۔آپ کا کتنا آلو اُگا،کتنی گندم اُگی اس سب کا ڈیٹا (Data) ان کے پاس جاتا ہے۔Statisical Breaue زراعت کا شعبہ ہے۔اعداد وشمار والا محکمۂ شعبہ زراعت ۔تو وہ دیکھتا ہے کہ کتنا آلو پیدا ہوا ہے اور کتنا ہم نے بھیجنا تھا۔ان کو کس نے کہا کہ آلو کاشت کریں یہ تو ہماری مارکیٹ تھی۔ایک دفعہ اس طرح ہوا ہے کہ فصل کے موقع پر پاکستان میں آلو اِتنا سستا تھا کہ ہمارے علاقے کے زمینداروں اور کسانوں نے حساب کیا تو اُس کو کھود کر زمین سے نکالنے کا اِتنا خرچہ تھا کہ اِتنی آلو کی قیمت نہیں تھی۔تو علاقے میں اُنھوں نے اعلان کیا کہ جس آدمی کو ضرورت ہے تو اُس کو کھود کر نکال لے تاکہ جلدی سے ہمارا کھیت اگلی فصل کے لیے فارغ ہو۔کیا کرتے کہ دو روپے کلو ہو گیا تھا۔جب تین مہینے گزرے تو جس غریب مزدور بیچارے نے کاشت کیا تھا اُن کے کھیتوں سے نکل گیا تو دس روپے فی کلو ہو گیا۔ یعنی سٹے باز اور سٹاک ایکسچینج والے اور ان کے عالمی ادارے اس طرح کا طریقۂ کار کرتے ہیں۔وہ ڈاکٹر سیار صاحب سے میں نے کہا کہ اللہ کے بندے اپنی گندم،اپنا آلو،اپنی سبزی،اپنا تیل اور ساری اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے کھیت سے اُگانے کا طریقۂ کار شروع کرو جو پرانے زمانے میں تھا۔اور اپنے مویشی رکھ کر اپنا دودھ کا بندوبست شروع کرو۔ ورنہ وہ تو سیالکوٹ وغیرہ کی زمینیں دے دی گئی ہیں ان اداروں کو، یہ تو بالکل جان نکال کر رکھ دیں گے آپ کی۔خیر یہ تو اُن کے اُس ISO پر بات آ گئی۔اصلی بات جو ہم نے کہنی تھی اپنے کام کی کہ جب اُس شخص نے یہ بات کہی کہ ٹینشن زیادہ رہتا ہے تو اُس کی تشخیص قلب پر وارد ہوگئی۔اور میں نے اُس سے کہا کہ جس وقت آپ لوگ جماعت میں آتے جاتے ہیں تو تقریر کرنا،تشکیل کرنا اس کو عموماً آپ مقصد سمجھتے ہیں اور آپ میں سے جو لوگ زیادہ آگے بڑھے ہوتے ہیں وہ نوافل اور ذکر اذکار کو بھی مقصد نہیں سمجھتے اُن کے کرنے میں بھی ذرا بوجھ محسوس ہوتا ہے کہ اصل کام نہیں کر رہے ہیں۔اور دنیا کے کاموں کو تو

بالکل لایعنی سمجھتے ہیں بلکہ یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں نے اس کام کے بدلے میں پیسے لیے ہوئے ہیں اور اس کا میں نے دیانتداری کے ساتھ اگر کوئی مالک ہے، حکومت ہے یا ادارہ ہے خواہ کوئی بھی ہے کہ جس نے مجھے پیسہ دیا ہے اُس کے مطابق میں نے اُس کو بدلہ دینا ہے اور یہ میری ضروری عبادات میں سے عبادت ہے، اس میں کمی آئی تو ایسے ہی کمی آئی جیسے کہ نماز میں کمی آئی۔ تو یہ بھی ایک وجہ ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز جس کو آدمی مقصد نہ سمجھ رہا ہو اور اسے اپنے لیے ضروری نہ سمجھ رہا ہو، عبادت نہ سمجھ رہا ہو اُس کو کرنے میں آدمی کو ٹینشن ہوتی ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ کا واقعہ ہے کہ اُن کو کسی کام کے لیے کوئی آدمی لے گیا تو اُنھوں نے کہا کہ بڑی گرمی ہے بڑی گرمی ہے ہماری تو شامت ہوگئی تو وہ آدمی جو کہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا اس نے کہا کہ تبلیغ میں پھرتے رہتے ہو اور وہاں کوئی گرمی نہیں لگتی لیکن آج گرمی لگ رہی ہے۔ تو مولانا صاحب نے جواب دیا کہ اُس وقت تو احساس ہی نہیں ہوتا ہے کہ گرمی ہے۔ مطلب یہ کہ مقصد والی بات میں آدمی چل رہا ہو تو آدمی کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ کسی آدمی کو آپ جون جولائی کے مہینے میں دس سے چار بجے تک دھوپ میں کھڑا کر دیں تو دو تین گھنٹے کے بعد اُس کا کیا حال ہوگا۔ سن اِسٹروک ہو کر گر جائے گا۔ لیکن اگر اسی آدمی کے سر پر آپ بیس کلو وزن بھی ڈال دیں اور اس کو اُوپر چڑھنے اُترنے کا بھی کہہ دیں کہ آپ آج کے دن تیس بار چڑھیں گے اُتریں گے اور سر پر بیس کلو بوجھ بھی ہوگا۔ لیکن آپ کو شام کو سو روپے دیہاڑی دی جائیگی۔ تو پھر اُس کو سَن اِسٹروک بالکل نہیں ہوگا کیونکہ اب مقصد و معاوضہ ساتھ شامل ہو گیا ہے لہذا اعصاب تناؤ اور ٹینشن محسوس نہیں کر رہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب باہر ملک سے آئے تھے اُنھوں نے ایک لیکچر دیا جس کا موضوع تھا ''ہمالیہ کے دہانے تک پہنچنا''۔ کشمیر میں کوئی ''جھیل مانسرور'' ہے جہاں سے دریائے سندھ نکلتا ہے تو وہ بڑی اُونچی جگہ تھی تقریباً سات یا آٹھ ہزار فٹ بلندی پر۔ وہاں پر آدمی کے اعصاب کام کرنا چھوڑتے ہیں۔ پھر اُس نے دو باتیں کہیں کہ ایک تو اُس جگہ پر آدمی کو کشف ہونے لگتا ہے اور دوسرے آدمی کے پھیپھڑے پھول جاتے ہیں اور سانس پر اثر پڑتا ہے، دماغ پر اور نظر پر اثر پڑتا ہے۔ یعنی انسان کے پورے افعالِ بدنی (نارمل فزیالوجی) بدل جاتی ہے۔ تو پروفیسر صاحب نے کہا کہ ''Strange enough that our driver was feeling no complications کہ جو آدمی گاڑی چلا رہا تھا وہ کوئی تکلیف محسوس نہیں

کرر ہاتھا۔باقی ہم سب کوئی نہ کوئی مثلاً سانس کی،کوئی دل کی تکالیف محسوس کرر ہاتھا۔تو ڈرائیور کے ساتھ عزم ،ارادہ اور
ذمہ داری کام کررہی تھی اس لیے اُس کے اعصاب متاثر نہیں ہور ہے تھے۔قوتِ متخیّلہ انسان کے اندر بہت بڑی قوت ہے۔تخیّل کی قوت اگر صحیح طور پر کسی کے قابو میں آجائے تو کینسر تک کا علاج ممکن ہے۔بعض آدمی ایسا اعتقاد والا آتا ہے کہ اُس کو ہم بات کہیں بس اُس کے دل میں ''آمنا وَصَدَّقنا'' ہے اور کبھی کبھی آزمائش کے لیے میں آدمی کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں۔اور کبھی آدمی کو برا بھلا کہتا ہوں تو یہ آدمی کے اخلاص کو ٹیسٹ کرنا ہوتا ہے۔کہ ''سہ خر بچئی دے مہ تا راغلئی دے شکل تہ گورہ ،زان تہ گورہ''تو ساتھ ساتھ اُس کے چہرے کو ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ اس کا کیا تاثر ہو رہا ہے اور اگر یہ تاثر ہو رہا ہے کہ ''تہ کم یو خان بچئی راغلئی یے کہ ما باندے غصے کوے'' تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی اعتقاد لے کر نہیں آیا ہوا۔۔۔۔۔خیر اُس آدمی کو یہ تشخیص بتائی۔

تو اسی پر آج بات کرنے کا دل ہوا کہ دین و دنیا کا تعلق۔عام طور پر ہم کہتے ہیں دنیا فانی ہے بے مقصد اور عارضی اور فضول ہے۔اویس قرنیؒ نے ساری عمر ایک چرواہے کی زندگی گزاری اور ابراہیمؒ ابن ادھم نے بلخ کی بادشاہت کو چھوڑا۔تو یہ کچھ چیزوں کو اپنے آخری معیار تک لے جانی والی شخصیات ہوتی ہیں۔جس طرح مغربی مما لک میں ہے کہ داہنی آنکھ کا ایک سرجن ہوتا ہے اور باہنی آنکھ کا دوسرا سرجن ہوتا ہے Specialist of right eye کہ داہنی آنکھ کا ماہر کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میری ساری توجہ داہنی آنکھ کی طرف ہوتی ہے اور میرے ہاتھوں کی مہارت بھی اسی طرف ہے۔تو اگر میں داہنی آنکھ کے کیس کرتا ہوں تو دس روزانہ کرسکتا ہوں اور اگر بائیں آنکھ کا کرتا ہوں تو سپیڈ کم ہو جاتی ہے اور پھر چھ کرسکتا ہوں۔تو اسی طرح ترکِ دنیا کے امام ہوتے ہیں،محبتِ الٰہی کے امام ہوتے ہیں اور علم کے لیے جان پر کھیل کر مجاہدات کرنا اس کے امام ہوتے ہیں۔تو یہ خاص لوگ ہوتے ہیں ورنہ عمومی طرز جو ہے وہ زندگی کے سارے کاموں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسائل کی روشنی میں کرنا ہی دین ہے۔کاروبار ملازمت بھی ہے،روزی کمانا بھی ہے،بیاہ شادی بھی ہے،بال بچوں سے پیار و محبت بھی ہے،پڑوسی اور ارد گرد والے کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا ہے۔مولانا یوسف بنوریؒ بیمار ہوئے اور دل کا دورہ پڑا۔ہسپتال میں داخل تھے تو اُن کی خدمت جو ڈاکٹر صاحبان کرر ہے تھے وہ دیندار ڈاکٹر تھے اور بڑے ذوق وشوق سے خدمت کرر ہے تھے۔رات کے بارہ بجے یا دو بجے تکلیف ہو جاتی

اور ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی تو ڈیوٹی پر آجاتے تھے۔ جب وہ صحت یاب ہو کر جارہے تھے تو اُنھوں نے ڈاکٹر صاحبان سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں اہلِ علم نہ ہوتا تو ڈاکٹری سیکھتا۔ کہ جس طرح تم لوگوں نے میری خدمت کی ہے میں بھی ایسی خدمت کرتا۔ تو اللہ والے آخرت کے لحاظ سے بڑے ہوشیار ہوتے ہیں کسی چیز کو سیکھنا اور حاصل کرنا تو نہیں ہوا مگر اُس کو نیت کر کے اُس کی حسرت دل میں لاکر اُس کا ثواب مفت میں لے لیا۔ اور ایسے ہی جو یہ آیت آئی ہے کہ ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ'' کہ اللہ نے ہمیں دین اسلئے نہیں دیا ہے کہ ہمیں تکلیف میں ڈال دے'' تو دین اور دینی زندگی کے اسلامی دنیا اور اسلامی معاشرہ پر عمومی اثرات، روزی کی فراخی، آسودہ حالات، صحت اور اچھے خوشگوار حالات ہیں۔ مجاہدات و تکالیف بھی اللہ والوں پر آتی ہیں لیکن عمومی طور پر دین کے یہ اثرات ہونے چاہئیں۔ اگر مسلمان آسودہ نہیں ہیں، امن و امان نہیں ہے، روزی کی فراخی نہیں ہے صحت نہیں ہے تو ان کے دین میں کہیں فرق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعلق کی شانیں ہیں کہ بعض آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ کمائے اور لوگوں پر خرچ کرے اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچائے۔ یہ پشاور کا سیٹھی کریم بخش جو گزرا ہے جس نے اسلامیہ کالج کی مسجد بنائی ہے اس کا واقعہ آپ کو پہلے بھی سنایا ہے کہ جب انگریز اسلامیہ کالج بنارہے تھے تو یہ ظالم خود تو اپنے پیسے سے نہیں بناتے تھے اسی ملک کا پیسہ ہوتا تھا اور عموماً چندہ کرتے تھے کہ اس مقصد کے لیے contribution اور subscription دو۔ تو اُنھوں نے اسلامیہ کالج کے لیے پشاور شہر کے تاجروں اور زمینداروں کو کہا کہ اس کے لیے چندہ دو۔ اور سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کے ذریعے سے چندہ کی اپیل کروائی۔ سیٹھی کریم بخش بھی تاجر تھے اور اُن کو کہا کہ کالج کیلئے چندہ دو۔ تو اُنھوں نے سوچا کہ یا اللہ انگریزوں کے کالج کے لیے چندہ کیسے دوں، اور نہ دوں تو پشاور میں کیسے رہوں۔ یہ پیر مہر علی شاہؒ صاحب سے بیعت تھے، خط کے ذریعے ان کو بتایا کہ میں اس مسئلے میں پھنس گیا ہوں کوئی مشورہ دیں کہ کیا کروں۔ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کیلئے دعا کرتے ہیں اور آپ غور و فکر کرتے رہیں کوئی بہتر صورت سامنے آجائے گی۔ خیر کچھ دنوں کے بعد اُن کے دل میں خیال آیا کہ میں ان سے کہتا ہوں کہ کالج تم بنادو اس میں مسجد میں تعمیر کروا دیتا ہوں۔ اس طرح یہ مسجد بنوادی۔ یہ پشاور کی بہت مخیّر شخصیت گزری ہے مختلف اداروں میں، دینی کاموں میں، محتاجوں کو، مساکین اور بیماروں کی امداد وغیرہ اکثر کرتے تھے۔ مولانا بجلی گھر صاحب کی روایت ہے اُنھوں نے خود مجھ سے یہ بات کہی کہ کسی وجہ سے وفات سے اٹھارہ سال بعد سیٹھی کریم بخش کی قبر

کھودنی پڑی تھی بالکل تروتازہ بدن تھا اور اُن کے بدن پر غسل کے پانی کے قطرے بھی تھے۔ بعض آدمیوں نے محض مال سے ولایت خریدی ہوتی ہے اور بعض ہماری طرح لوگوں نے دین کو بیچا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ بچائے ہم اہلِ علم نے اور دین والے لوگوں نے دین کو بیچا ہوا ہوتا ہے اور اُس سے دنیا کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ جبکہ بعض سمجھدار مالداروں نے اپنا مال خرچ کر کے ولایت، اللہ تعالیٰ کا تعلق اور آخرت خریدی ہوئی ہوتی ہے اور جنت خریدی ہوئی ہوتی ہے۔

مزدور اور کام کرنے والے کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اوسط کارکردگی کے ساتھ کام کرے کہ نہ تو اتنا شدت کے ساتھ کرے کہ اُس میں صحت متاثر ہونے کا خدشہ ہو اور نہ اتنا سستی کے ساتھ کرے کہ مالک کا سارا حق ہی ضائع ہو جائے یا اُس میں کمی آجائے۔ اوسط کوشش اوسط محنت کے ساتھ ضرور کرے۔ اوسط سے زیادہ کر رہا ہے تو مزید اجر وثواب ہے اور اگر اوسط سے کم کر رہا ہے تو سستی کا گنہگار ہو رہا ہے۔ چلیں یہ بات ایک اعتراضی آگئی مگر آپ کو سنادوں کہ مثال سے آدمی مسئلے کو سمجھتا ہے خورشید صاحب خفا ہوگا کہ ہمارے ہی پیچھے پڑے رہتے ہو۔ مثال ہے ہمارے گاؤں کے ایک ماسٹر صاحب کی کہ چار مہینے لگا کر آئے تو ساتھیوں نے شکایتیں شروع کیں کہ سکول میں کام نہیں کرتا۔ میرا دوست ہے مجھ سے کہنے لگا کہ ہم یہ کیا باطل نظام پڑھا رہے ہیں، میں نے کہا ماشاءاللہ اب حساب سکھانا، اُردو سکھانا، لکھنا سکھانا، اور پڑھنا سکھانا کہ کل ان چیزوں کو ضروریاتِ زندگی میں استعمال کریگا اُس کو آپ باطل نظام کہہ رہے ہیں کہ یہ غیر ضروری باتیں ہیں۔ اور مفتی بھی آپ خود ہی بن گئے۔ کسی مفتی سے مسئلہ تو پوچھ لیتے۔ اس افراط وتفریط سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ حضرت مولانا محمد پالن پوریؒ صاحب نے سالانہ اجتماع کے بیان میں اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ساتھی مختلف جگہوں پر اپنے فرائض منصبی میں سستی کرتے ہیں یہ وہ اپنی مرضی سے کر رہے ہیں ہم اس بات کو نہیں چاہتے اور یہ ہماری مرضی سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی مرضی سے کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت ایوب سختیانیؒ کسی گنہگار کے جنازہ کو دیکھ کر اپنے دروازہ کے اندر چلے گئے تا کہ اس کی نماز نہ پڑھنی پڑے۔ بعض لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا گذری؟ اس نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ اور ایوب سے کہہ دینا کہ اگر رحمت الٰہی کے خزانے تمہارے قابو میں ہوتے تو ان کے ختم ہو جانے کے خوف سے تم ان کو روک رکھتے۔'' (احیاء العلوم)

سید سعید اللہ مازارہ

حفاظتِ قرآن مجید

صدیق اکبرؓ کے عہد میں قرآن مجید کے جمع کرنے کے واقعہ سے عہد نبوی میں قرآن کی کتابت کی تائید:

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قرآن مجید کے جمع کرنے کے واقعہ کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ عہدِ نبوی میں پورے کے پورے قرآن کی کتابت ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جنگ یمامہ میں سات سو (بدرالدین العینی: عمدۃ القاری ۹:۳۰۴) یا اس سے زیادہ قراء کے شہید ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کے جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کے جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ ابتداء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کے کہنے پر اور پھر زید بن ثابتؓ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے کہنے پر جمع قرآن کے لئے اس لئے آمادہ نہیں ہوئے تھے کہ اُن کو اس میں سنتِ نبویہ سے مخالفت کا اندیشہ تھا (بخاری: الجامع الصحیح ۲: باب جمع القرآن) بعد میں ان پر بات کُھل گئی کہ جمع کرنے میں سنت نبویہ کی عین پیروی ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول کے ساتھ ساتھ آیات کاتب سے لکھواتے اور پھر صحابہ بھی نازل شدہ سورتوں کی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اپنی اپنی سورتوں میں جمع کر دیتے۔ اس لئے ترک کرنے میں سنت سے مخالفت ہے نہ کہ جمع کرنے میں جیسا کہ حارث المحاسبی نے فہم السنن میں کہا ہے کہ: **کتابة القرآن لیست بمحدثة فانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یأمر بکتابته ولکنه مضرقافی الرقاع والاکتاف والعسب وکان ذٰلک بمنزلة اوراق وجدت فی بیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فیها القرآن منتشر افجمعها جامع وربطها بخیط حتی لایضیع منها شیئی** (الاتقان ۱:۵۷) ”قرآن مجید کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا گیا تھا متفرق پرچوں، اونٹ کے شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں پر لکھا ہوا تھا اور ابوبکرؓ نے صرف اس کے نقل کرنے اور اکٹھا کر لینے کا حکم دیا اور یہ کارروائی بمنزلہ اُس بات کے تھی کہ کچھ اوراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پائے گئے جن میں قرآن منتشر تھا پھر ان کو کسی جمع کرنے والے نے اکٹھا کر کے ایک ڈورے سے باندھ دیا تا کہ ان میں سے کوئی ٹکڑا ضائع نہ ہو جائے“۔ اس بناء پر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ وہی آیات لکھی

جائیں گی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے روبرو کاتب سے لکھوایا ہو، اور تب لکھی جائیں گی جبکہ اس بات پر پورا وثوق حاصل ہو جائے۔ اگر چہ جو جو آیات نازل ہو جاتیں نزول کے ساتھ ہی
تواتراً لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو جاتیں اس لئے کوئی آیت بھی ایسی نہ تھی جس کے قرآن ہونے پر صحابہ کو یقین حاصل نہ تھا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں سے اپنے روبرو لکھے ہوئے نوشتے تواتر کے درجے میں نہ تھے اس لئے اس پر وثوق حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر فاروق اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو یہ حکم فرمایا۔ **اقعدا علیٰ باب المسجد فمن جاء کما بشاھدین علیٰ شیئ من کتاب اللّٰہ فاکتباہ** (العسقلانی: فتح الباری ۱۰: ۳۸۸) ''تم دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ۔ پس جو شخص تمھارے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ مع دو گواہوں کے لائے اُسے لکھ لو'۔ اس حدیث کی تشریح میں سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں لکھا ہے:۔ **المراد انھما یشھد ان علی اَنَّ ذٰلک المکتوب کتب بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (السیوطی: الاتقان ۱: ۵۸) ''اس سے مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھا گیا ہے۔'' اور ابوشامتہ نے کہا ہے: **وکان غرضھم ان لایکتب الامن عین ما کتب بین یدی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ** (السیوطی: الاتقان ۱: ۵۸) اور ان کی (صحابہ کی) غرض یہ تھی کہ قرآن صرف اسی اصل سے لکھا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو تحریر میں آیا ہے نہ کہ محض یاداشت پر اعتماد کر کے لکھا جائے'' یہی وجہ ہے کہ سورت براءت کی آخری دو آیات باوجود ان کے متواتر ہونے کے حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت خزیمہؓ جیسے حضرات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ لینے کی شہادت (العسقلانی: فتح الباری ۱: ۳۸۹ وابن ابی داؤد: کتاب المصاحف ۳۱) دینے کا اور ان کے معجزانہ اسلوب کے اس وقت تک اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی جگہ میں نہیں رکھی گئیں جب تک کہ حضرت خزیمہؓ نے ان آیات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھا ہوا نوشتہ نہیں لایا۔ اس نوشتہ پر اگر چہ دوسرا گواہ نہیں تھا لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو گواہوں کا قائم مقام بنایا تھا اس لئے ان کو سورت براءت کے اخیر میں رکھا گیا جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے: **وانما الکتفوٰانی اٰیۃ التوبۃ بشھادۃ خزیمۃ لان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جعل شھادتہ بشھادۃِ رجلین** (الآلوسی: روح المعانی ۱۰: ۲۱) ''سورہ التوبہ کی آیت میں حضرت خزیمہؓ کی شہادت پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو

دو گواہوں کے برابر فرمایا تھا۔"

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں اور پھر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جمع قرآن کے لئے اساس عہد نبوی میں قرآن مجید کی کتابت تھی۔ اگر عہد نبوی میں باقاعدہ طور پر قرآن مجید کی کتابت نہ ہوئی ہوتی تو کتابت کی صورت میں ہمارے سامنے قرآن مجید موجود نہ ہوتا۔ کیونکہ صحابہ کرام نے اس کے جمع کرنے کا عزم اس وقت کیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کو شرح صدر فرمایا کہ جمع نہ کرنے میں سنت سے مخالفت ہے۔ اگر ان کو جمع نہ کرنے میں سنت سے مخالفت کا یقین نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی جمع کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت عمرؓ کو اِن کلمات فرمانے سے **"کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم"** (تم وہ کام کیسے کرتے ہو جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا) اور حضرت زیدؓ کا ان کلمات فرمانے سے **"فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفُوْنِی نقل جبل من الجبال ما کاناثقل عَلی مما اَمَرَنی به من جمع القراٰن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم"** سے ظاہر ہے۔ "واللہ اگر وہ مجھ کو ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی گراں نہ ہوتی جس قدر قرآن کے جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا میں نے کہا تم دونوں وہ کام کس طرح کرتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔"

جمع قرآن بعہد نبوی اور جمع قرآن بعہد ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں مستشرقین کی خودساختہ رائے:

آرتھر جفری (ARTHUR JEFFERY) نے ڈاکٹر بل (BELL) اور پروفیسر ٹاری (TOFFRY) کی یہ خودساختہ تحقیق نقل کی ہے کہ قرآن مجید سے ہمیں یہ شہادت ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کا ایک مہتم بالشان مجموعہ بعض مرتب اور بعض غیر مرتب صورت میں اپنی حفاظت میں رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مواد کو کتاب کی بنیاد قرار دینا چاہتے تھے کہ دریں اثناء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ اس ے بعد وہ لکھتا ہے کہ یہ یقیناً ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرما کر منظّم و مرتب صورت میں قرآن مجید نہیں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغامات زبانی دیتے رہے۔ آخری عہد میں اس کی کتابت وقتی معاملہ ہوتا۔ (Materials for the History of the text of of the Quran page:5)

اور مستشرق تھامس پیٹرک ہجس (T.P.HUGNES) لکھتا ہے ۔ Althoug the

Quran now appears as one book,, The Muslims admit that it was not all made known to the Prophet in one and the same manner. (Dictionary of Islam p.485) یعنی مسلمان اس کی تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ قرآن مجید اسی طرح ایک مرتب مجموعہ میں ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عہد خلافت میں جمع قرآن کے متعلق آرتھر جفری نے لکھا ہے: بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ ابوبکرؓ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے وحی کے مواد جمع کئے تھے۔ شائد آپؓ کو وہ مواد ملے ہوں گے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کی تالیف کے لئے مرتب فرمایا تھا''۔ آگے لکھتا ہے

"That he ever made an recenssion as the orthodox theory demands is exceedingly doubtful. His collection would have been purely private affair just as quite a number of other companions of the Prophet had made personal collections as private affair." (Materials for the History of the text of the Quran P.7)

''یعنی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جمع خلیفہ کی نگرانی میں خلافت راشدہ کے فرائض میں سے اہم ترین فریضہ تھا بلکہ یہ جمع بالکل اسی طرح ان کا اپنا خالص ذاتی معاملہ ہوگا جیسا کہ اور صحابہ کرام کے پاس پرائیویٹ طور پر ذاتی مجموعے تھے۔''

اور بیون جانز(L.BEVAN JONES) نے لکھا ہے: Tradition records that he gathered it from palm-leaves, skins, blad,bones and the hearts of men.But who shall say that Zaid managed to secure all that Mohammad had ever uttered and all that had been commited in memory.(The people of the Mosque. P62)

''یعنی حدیث سے ثابت ہے کہ زیدؓ نے کھجور کی شاخوں کی ڈنٹھلوں وغیرہ اشیاء سے قرآن مجید جمع کیا لیکن یہ کون کہے گا کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا اور جو کچھ ان سے یاد کیا گیا ان سب کے جمع کرنے کا آپؓ نے انتظام فرمایا۔''

اس طریقہ سے مستشرقین اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب یقینی طور پر نہیں لی۔

(۱) مگر قرآن مجید کا تدریجی نزول اور پھر اس کی ترتیب کا تدریجی نزول کے مطابق نہ ہونا اس بات پر شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہر بار نازل شدہ آیات کے الفاظ بھی یاد کرواتے اور اپنی اپنی سورت میں ان آیات کی جگہ بھی متعین فرما دیتے جس کے مطابق ان کو یاد ہوتا۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی ذکر شدہ حدیث سے یہ دونوں باتیں ثابت ہیں۔ اگر ان کو ہر ہر سورت کی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق یاد نہ ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ ارشاد کیسے فرماتے: **ضَعُوا هٰذه الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا** ''یہ آیات اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے''۔

(۲) زید بن ثابتؓ کی اس حدیث **''کنا عند النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نُؤَلِّفُ القرآنَ من الرقاع''** سے بھی ثابت ہے کہ ہر ہر سورت کی آیات صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ان نوشتوں سے اپنی اپنی سورت میں مرتب طور پر یکجا کر دیتے جن کو انہوں نے ان آیات کے نازل ہونے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو متفرق نوشتوں پر لکھی تھیں۔

(۳) صدری حفاظت کے ذریعے سے بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ پورے کے پورے قرآن مجید کے الفاظ ترتیب اور لہجہ سب کے سب صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ لیا جو نزول کے وقت سے سینوں میں انہی الفاظ، لہجہ اور ترتیب سے قرن درقرن محفوظ چلا آتا ہے اور انہی الفاظ اور ترتیب سے کتابی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

چنانچہ ان مستشرقین کے لئے ان شکوک وشبہات ڈالنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے مواد بعض مرتب صورت میں اور بعض غیر مرتب صورت میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور شائد ابوبکر صدیقؓ کو وہ مواد ملے ہوں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کی تالیف کے لئے اپنے پاس رکھے تھے بلکہ صحابہ کرامؓ نے پورے کا پورا قرآن مجید موجودہ ترتیب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر سینوں میں محفوظ رکھا اور زمانہ نزول میں کوئی آیت ایسی نہیں رہی تھی جس کی کتابت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب سے اپنے روبرو نہیں کروائی تھی۔ البتہ مصحف میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ جس طرح پورا قرآن مجید زمانۂ نزول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے الفاظ اور ترتیب کے

ساتھ متواتر طور پر لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہوا اسی طرح نزول کے مکمل ہو جانے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے فوراً بعد کتابی صورت میں بھی صحابہ کرامؓ کے ان نوشتوں سے مصحف میں جمع کیا جائے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے تھے۔ اس مہم کی طرف سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کی توجہ گئی جس کو آپؓ نے خلیفہ راشد کی نگرانی کے بغیر انجام تک پہنچانا ناممکن سمجھا اس لئے آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:۔ **اِنِّیْ اریٰ ان تَـاْمُرَ بجمع القراٰنِ.** اس کے لئے خلافتِ راشدہ کی طرف سے یہ عام اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتے ہوں وہ لائے۔ (خلافت کی طرف سے اس کا اعلان حضرت عمرؓ نے فرمایا جب کہ ابن ابی داؤد نے فرمایا ہے "**فقام عمر فقال من کان تلقّٰی من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئًا من القراٰن فلیئات بہ** : فتح الباری ۹:۱۴۹۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے جانے پر مزید وثوق حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور زید بن ثابتؓ کو یہ ارشاد فرمایا "**فَمَنْ جَاء کما بشاھدین فاکتباہ**" اس لئے زید بن ثابتؓ صحابہ کرام کے لائے ہوئے نوشتوں سے آیات ان کی سورت میں اپنی متعین جگہ پر تب لکھتے جب دو گواہ اس بات کی گواہی دیتے۔ "**ان ذٰلک المکتوب بین یَدَیَ رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** چونکہ یہ جمع حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ نہ تھا بلکہ تمام ان حضرات صحابہ کا اس سے تعلق تھا جنہوں نے حفظاً وکتابۃً دونوں لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست لیا تھا لہذا اس کو انجام تک پہنچانا خلیفۂ راشد کی نگرانی کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیا "**انی اریٰ ان تأمر بجمع القراٰن**" اگر یہ ان کا پرائیویٹ معاملہ ہوتا تو ابتداء نزول سے صحابہ کرام صحف اور مصاحف کی صورت میں قرآن مجید اپنے پاس رکھتے تو آپ بھی اس کو خود جمع کر لیتے۔ اس میں دوسروں کو جمع کرنے کے حکم کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ابتداء میں انکار کرتے ہوئے اس جمع کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف فرمائی۔ فرمایا: **کیف تفعل شیئالم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** اور اپنی طرف اس کی نسبت نہیں فرمائی کہ یوں فرماتے "**کیف افعل شیئًالَمْ یَفْعَلْہُ رَسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم**" اور کتابت کے فریضہ کو حوالہ کرنے کے لئے آپؓ نے جب حضرت زیدؓ کو بلایا تو زیدؓ اس وقت اپنی حالت یوں بیان فرماتا ہے:۔ **فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الجبال ماکان اثقل عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَ فِیْ بِہٖ مِن جمع القراٰنِ** "اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ کو پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ

دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی گراں نہ ہوتی جس قدر قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا ''۔چنانچہ آپؓ نے حوالہ کرنے کی تکلیف ڈالنے کی نسبت صرف حضرات ابوبکرؓ کی طرف نہیں فرمائی کہ یوں فرماتا:۔ **''فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفَنِیْ''** ''خدا کی قسم اگر حضرت ابوبکرؓ مجھے تکلیف دیتا'' بلکہ جمع کا صیغہ **''لو کفونی''** (الحدیث) لاکر یہ بتایا کہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اور صحابہ کرامؓ کی بھی یہی رائے ہوچکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آگے ان سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ **''کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم''** اور صرف حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب نہیں کیا کہ ایسا فرماتے **''کیف تفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم''** جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو جس وقت کہ آپؓ اپنی اس رائے میں اکیلے تھے یہ فرمایا تھا **''کیف تفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم''** جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پر کتابت کی ذمہ داری ڈالنے سے پہلے صحابہ کرامؓ کا اس پر اتفاق ہوا تھا کہ یہ کام زید بن ثابتؓ انجام دیں گے۔ جب یہ فیصلہ ہوا کہ کتابت کا فریضہ زید بن ثابتؓ انجام دیں گے اور اس کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا شرح صدر فرمایا تو باوجود اس کے کہ آپؓ حافظ قرآن تھے (صحیح بخاری: باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؓ کے پاس اپنا مصحف بھی تھا (فتح الباری ۹:۱۵) آپؓ نے اپنی صدری حفاظت اور اپنے مصحف کو اس کا مأخذ نہیں بنایا بلکہ صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی صدری حفاظت کو بنیاد بنایا تاکہ تمام لوگوں پر یہ بات واضح ہو کہ اس کو انہوں نے انفرادی طور پر جمع نہیں کیا بلکہ ان تمام حضرات صحابہ کی گواہی کے ساتھ جمع کیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یاد کر کے لکھ لیا تھا۔ نیز حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو مخاطب کر کے ان کے انتخاب کی وجہ میں ان کے چار اوصاف کا تذکرہ فرمایا:۔ **اِنَّکَ رَجُلٌ شاب عاقل لَا نَتَّھِمُکَ وَقَدْ کُنْتَ تکتب الوحی لِرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** ''آپ نوجوان آدمی ہیں، عقلمند ہیں، ہم آپ پر تہمت نہیں لگاتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے۔''

(۱) جوانی میں انسان کے قویٰ مضبوط ہوتے ہیں۔ حافظہ قوی ہوتا ہے اس لئے یہ احتمال نہیں ہوتا کہ کوئی چیز نظر سے رہ جائے گی یا کثرتِ عمل کی وجہ سے ذہن مشوش ہوجائے گا۔ حضرت زیدؓ کی عمر اُس وقت تقریباً اکیس ۲۱ سال کی تھی جو شباب کے عروج کا وقت ہوتا ہے۔ قوت جسمانی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ

غزوہ خندق میں آپؓ کے جوانی کے ابتدائی ایام تھے۔عمر سولہ برس تھی آپؓ عبودیت کے جذبہ سے سرشار ہوکر ایسے جانفشانی اورنشاط کے ساتھ خندق سے مٹی اٹھا کر باہر لاتے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کیفیت اوراحساس کے ساتھ دیکھا تو فرمایا۔ **اما!انہ نِعم العبد** (سنو! یہ بہت اچھا بندہ ہے)(ابن عبد البر:الاستیعاب ۱:۱۸۸) آپ کی جوانی کا وصف بیان کرنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقصد یہ تھا کہ جمع قرآن میں جتنی بھی مشقت اٹھانے کی ضرورت پڑے گی آپ بسہولت اٹھاسکیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے آپؓ کا دوسرا اور تیسرا وصف یہ بتایا کہ آپ عاقل ہیں اورآپ کی امانت ودیانت پر بدگمانی نہیں کی جاسکتی اور چوتھا وصف یہ بتایا کہ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے۔ آپؓ کی ذہانت عقل اور دیانت وامانت کے ثبوت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شہادت کافی ہے کہ ہجرت کے بعد جبکہ آپؓ کی عمر گیارہ برس تھی۔ (ابن عبدالبر: کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۱:۱۸۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ کو حاضر کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ یہ انصار کے قبیلۂ خزرج بنونجار کا لڑکا ہے اوراس کو سترہ سورتیں یاد ہیں اور آپؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بے حد خوش ہوئے اورفرمایا۔ **تَعَلَّمْ کِتابَ یَھُود فَاِنِّیْ ما امنھُمْ علٰی کتابی فَفَعَلْتُ فما مضیٰ لی نِصْفُ شھرٍ حتّٰی حَذَ قْتُہٗ فکُنتُ اَکْتُبُ لَہٗ اِلَیْھِمْ وَاِذَا کَتبُوْا اِلَیْہِ قَرَءْ تُ لہٗ** (یہود کا رسم الخط سیکھو کیونکہ میں ان پر اپنے خطوط کے بارے میں اعتماد نہیں کرسکتا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی پیروی کی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خطوط میں لکھتا رہا اور جب ان کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطوط آتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتا۔) اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا۔ **اِنِّیْ اَکْتُبُ اِلٰی قومٍ فاخاف اَن یَّزِیْدُوْا عَلَیَّ اَوْ یَنْقُصُوْا فَتَعَلَّم السُّرْیَانِیَّۃَ فَتعَلّمْتُھا فِی سبعۃ عَشَرَ یَوْمًا** (الاصابہ ۲:۲۳) ''میں ایسی قوم کی طرف خطوط لکھتا ہوں جن کی طرف سے مجھے اس میں کمی وبیشی کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس لئے تم سُریانی زبان سیکھو، جس کو میں نے سترہ دن میں سیکھ لیا۔'' دو ہفتوں کے اندر اندر کتابت میں مہارت حاصل کرنا اور سترہ دنوں میں سریانی زبان سیکھنا آپؓ کے زکاء وفہم اورقوت یادداشت کا قوی ثبوت ہے۔آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صغرسنی سے وحی کی کتابت پر مقرر فرمایا، چنانچہ ہجرت کے بعد وحی کی اکثر کتابت آپؓ ہی فرماتے رہے یہاں تک کہ آپؓ پر ''الکاتب'' معرَّف باللام کا اطلاق ہوتا رہا۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کاتبین وحی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔ **اَمَّا بالمدینۃِ فاکثر ماکان یکتب زیدولکثرۃ تعاطیہ ذٰلک اُطلق علیہ"الکاتب" بلام العھد** (فتح الباری) یعنی مدینہ منورہ میں وحی کی کتابت زید بن ثابتؓ اتنی کثرت سے کرتے رہے کہ جب بھی "الکاتب" کہا جاتا تو ان سے صحابہ کرامؓ زید بن ثابتؓ ہی مراد لیتے تھے"۔

یہ کوئی معمولی فضیلت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ خط و کتابت کا فریضہ آپؓ کے سپرد کیا اور آپؓ کی رازداری پر پورا اعتماد فرمایا۔ بدگمانی یا تو تب کی جاسکتی ہے جب کہ کوئی شخص اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں سہل انگاری یا خانخواستہ بددیانتی سے کام لے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتماد کے بعد حضرت زیدؓ کے بارے میں ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کا بھی احتمال نہیں رہا۔ ذمہ داری کے احساس کا ثبوت حضرت زیدؓ کے اس قول سے بھی ملتا ہے۔ **"فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفُوْ فی نَقَلَ جَبَلِ مَاکَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَ فِیْ بِہٖ مِن جمع القُرْاٰن"**۔ آپؓ کے اس مقولہ میں دو باتوں کا اظہار تھا ایک یہ کام بڑا تھا جس کے لئے نہایت اہتمام کی ضرورت تھی دوسرا یہ کہ آپؓ کو صرف یہ خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت ہو۔ بعینہٖ وہی خدشہ جو اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کے جواب میں آپؓ کا بھی اس طرح شرح صدر فرمایا جس طرح حضرت ابوبکرؓ کا شرحِ صدر حضرت عمر فاروقؓ کی درخواست پر فرمایا تھی۔

املاء کرنے کے لئے حضرت سعید بن العاص کو منتخب کیا گیا اور پچھتر ۷۵ صحابہ کرامؓ کی خدمات مستقل طور پر لی گئیں، جیسا کہ الیعقوبی نے کہا ہے۔ **اَنَّ الخلیفۃ لَمَّا ھَمَّ بِجَمْعِ الْقُراٰن بَعد الحاح عمر علیہ بذٰلک اَجْلَسَ خمسۃ و عشرین رجُلاً من قریشٍ وخمسین رجُلاً من الانصار وقال اکتبوا القراٰن واعرضُوْا علٰی سعید بن العاص فانہ رجل فصیح** (تاریخ یعقوبی ۱:۱۳۹ خلافۃ ابی بکر۔ مطبع بیروت) "حضرت عمرؓ کے الحاح کے بعد جب خلیفہ ابوبکرؓ نے قرآن کے جمع کا قصد کیا تو آپ نے قریش کے پچیس ۲۵ حضرات صحابہؓ اور انصار کے پچاس ۵۰ حضرات کو بٹھایا اور فرمایا قرآن لکھو اور سعید بن عاص پر پیش کرو کیونکہ وہ فصیح ہیں۔" سعید بن عاص کے بارے میں آیا ہے: **ان عربیۃ القراٰنِ اقیمت علی لسان سعید بن العاص لانہ کان اشبھھم لھجۃ برسول اللّٰہ علیہ وسلم** (فتح الباری ۹:۱۹) "قرآن مجید کی عربیت سعیدؓ بن عاص کی زبان سے قائم کی گئی ہے کیونکہ آپؓ کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے لہجہ سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔‘‘

بہر حال اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو صدری حفاظت کے ساتھ ساتھ کتابی صورت میں بھی ایسے طریقہ سے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جمع کرتے وقت ان کی زبان سے ایسے کلمات کہلوائے جن سے ان مستشرقین کے وہ تمام سہارے بے کار ہو جاتے ہیں جن کے ذریعے وہ قرآن مجید پر مسلمانوں کے ایمان ویقین کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ

(التوبہ:۳۲)

ترجمہ: وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بغیر اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

اطلاعِ خلافت واجازت

مانسہرہ کے سفر کے دوران بندہ (ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ) کے قافلہ کا ہری پور میں ڈاکٹر منظور صاحب کی جگہ پر مختصر قیام ہوا۔ موصوف میڈیکل سپیشلسٹ ہیں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کے مرید تھے۔ علاج معالجے کے سلسلے میں حضرت کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد جناب منیر حسین شاہ صاحبؒ (خلیفہ صوفی اقبال صاحب) کی خانقاہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ حضرت منیر حسین شاہ صاحبؒ نے خلافت بھی عطا فرمائی۔ حضرت مولانا صاحب کے سلسلہ کی خلافت کا بندہ نے اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں قبول فرمائے اور پورے سلسلہ بلکہ پوری امت کے لیے رحمت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات کو سلسلہ میں خلافت مل چکی ہے۔ (۱) مولانا محمد امین دوست صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن چھوٹا لاہور صوابی (۲) ڈاکٹر میاں سیّار صاحب (میڈیکل آفیسر سعودی حلال احمر پشاور) (۳) حاجی احمد خان صاحب ایڈیشنل سیکٹری محکمہ تعلیم صوبہ سرحد (۴) مولوی مشتاق صاحب پی۔ای۔ٹی محکمہ تعلیم ڈھوڈیال، مانسہرہ، ہزارہ۔

☆☆☆☆☆

تعزیت کے آداب

حقیقی تعزیت:

صبر کے معنی ضبط نفس کے ہیں یعنی نفس کی خواہش کو دبانا اور اس کو ثابت قدم رکھنا۔ اس تعریف سے آپ کو معلوم ہوگا کہ صبر کے معنی صرف یہی نہیں کہ کسی کے مرنے پر صبر کرلیا جائے، چونکہ یہ موقع سخت ہے اس لیے عرف میں اسی موقع پر ضبط نفس کا نام صبر ہوگیا۔ اس میں کچھ شدت تو واقعی ہے، دوسرے وہ اس لیے بھی اشد ہوگیا کہ لوگ اس موقع پر خود بھی غم کو بڑھاتے ہیں کہ بار بار اس کا تذکرہ کرتے اور سوچتے ہیں اور تعزیت کرنے والے بھی بار بار اسی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ آجکل تعزیت تعزیت نہیں بلکہ تعذیب ہے کہ تکلیف کو بڑھاتے ہیں۔ تعزیت کے معنی تسلی کرنے کے ہیں مگر آجکل تسلی نہیں کی جاتی بلکہ غم کو بڑھایا جاتا ہے۔

تعزیت تو یہ ہے جو ایک اعرابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کی تھی۔ آجکل اگر کوئی ایسا مضمون بیان کرے تو لوگ کہیں گے لیجئے یہ تسلی دینے آئے تھے ڈھیلا سا مار گئے۔ آجکل تو تعزیت اس کو کہتے ہیں کہ بیٹھتے ہی رونے لگو یا رونے کی صورت بنالو اور یوں کہو کہ یہ خبر سن کر بہت ہی غم اور صدمہ ہوا، تمہارے دل پر کیا گزری ہوگی، ہائے کیسا گھر برباد ہوگیا۔ جس سے غمزدہ کا دل اور پاش پاش ہوجاتا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے کلمات تو ایسے زہر آلود ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ غم کے وقت ان کلمات کا سننا جائز نہیں۔ مجھے تو ایک مرتبہ عورتوں کے کلماتِ تعزیت سن کر اختلاج قلب ہوگیا تھا جس کی مضرت دور تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا سننا جسم اور صحت دونوں کے لیے مضر ہے۔ اب اس اعرابی کا مضمون سنیئے۔ کہتا ہے ؎

اصبر فکن بک صابرین فانما　　　صبر الرعیة بعد صبر الراس

ترجمہ: اے عبداللہ بن عباس! صبر کیجئے تاکہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی صبر کا سبق سیکھیں کیونکہ آپ مقتداء ہیں اور مقتداء کے صبر سے ہی رعیت کو صبر کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ اگر مقتدیٰ بے صبر بن جائے تو رعیت کیونکر صابر ہوگی۔

سبحان اللہ کیسی عجیب تعلیم ہے جس کو سن کر مقتدیٰ پوری طرح صبر کے لیے آمادہ ہوجائے گا، مطلب

یہ ہے کہ آپ کو اوّل تو اپنے علم کی وجہ سے صبر کرنا چاہئے، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم ہمارے ہی خیال سے صبر کیجئے۔ آگے کہتا ہے۔

خیر من العباس اجرک بعدہ　　　　والله خیر منک للعباس

ترجمہ: حضرت عباسؓ کے انتقال سے آپ کو جو غم ہوا اور اس پر جو اجر ملا وہ آپ کے حق میں حضرت عباسؓ سے بدر جہا بہتر ہے، عباسؓ کو لے کر کیا کرو گے وہ تو دنیا ہی میں کام آتے اور ثواب تو جنت تک آپ کو پہنچادے گا۔ اور حضرت عباسؓ کے لیے خدا تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں۔ وہ آپ سے جدا ہو کر خدا کے پاس پہنچ گئے پھر کاہے کا غم کہ نہ آپ کا نقصان ہوا نہ ان کا بلکہ دونوں کا نفع ہی ہو گیا۔

یہ ایسا مضمون ہے جو آجکل کے عرف میں تعزیت کا مضمون شمار نہیں ہوتا، مگر حقیقت میں تعزیت یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کی تعزیت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا اس اعرابی کی تعزیت سے ہوا۔

<u>غم کی حقیقت وحکمت:</u>

بعض جگہ جہاں بے تکلفی ہوتی ہے میں بھی یہی کہہ دیتا ہوں میاں کس غم میں پڑے ہو۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور دین اسی موقع کے واسطے عطا فرمایا ہے۔ عقل سے کام لو اور دین کی باتوں میں غور کرو تو یہ بات کچھ زیادہ غم کی نہیں کیونکہ مرنے کی حقیقت یہ ہے جیسے کوئی پردیس سے وطن پہنچ جائے۔ تو مرنے والا تو اصلی وطن میں پہنچ گیا، اس پر کیا رنج۔ ہاں ہم پردیس میں رہ گئے ہیں ہم کو اس کی فکر کرنا چاہئے کہ خیریت سے ہم بھی وطن پہنچ جائیں۔ بس اب صرف مفارقت کا صدمہ رہ گیا سو وہ بھی چند روزہ ہے ایک دن ہم بھی وہیں جانے والے ہیں جہاں وہ گیا۔

ایک بات میں لاکھوں کی بتاتا ہوں وہ یہ کہ طبعی غم اور ہے اور کسبی غم اور ہے۔ طبعی غم کی مدت بہت کم ہے وہ تو خود بخود بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ ہاں کسبی غم جو خود سوچ سوچ کر پیدا کیا جاتا ہے اور تذکرہ کر کے بڑھایا جاتا ہے وہ البتہ اشد ہے، مگر اس کا حدوث وبقا (پیدا ہونا اور باقی رہنا) اختیاری ہے۔ سوچنا موقوف کرو تذکرہ نہ کرو تو کسبی غم پاس بھی نہیں آئے گا۔

رہا طبعی غم وہ البتہ غیر اختیاری ہے مگر نہ وہ تحمل سے باہر ہے اور نہ اس کی مدت زیادہ ہے۔ پھر اس کی حکمت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ نے یہ غم بھی محض رحمت کی وجہ سے دیا ہے کہ وہ ایک دولت ہم کو عطا فرمانا چاہتے ہیں۔ جب وہ حکمت حاصل ہو جاتی ہے تو خود ہی اس کو دور بھی کر دیتے ہیں ؎

درد از یار ست و درماں نیز ہم   دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

ترجمہ: درد دوست کا دیا ہوا ہے اور دوا بھی۔ دل اور جاں دونوں اس پر فدا ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو غم نہیں دینا چاہتے بلکہ ایک دولت دینا چاہتے ہیں جس کا آلہ غم کو بنایا گیا۔ پھر چونکہ غم مقصود نہیں اس لیے اس کو جلد ہی زائل کر دیتے ہیں، بشرطیکہ تم خود اس کو نہ پالو اور بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔

غم کی حکمت یہ ہے کہ انسان متمدن ہے اور تمدن موقوف ہے ہمدردی پر اور ہمدردی موقوف ہے رقت قلب پر۔ پس رقت کو تازہ کرنے کے لیے بعض دفعہ اسبابِ رقت یعنی غم وغیرہ نازل ہوتے ہیں۔ اگر اس کی تجدید نہ کی جائے تو یہ قوت بالکل معطل ہو جاتی ہے چنانچہ اطباء نے تصریح کی ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جائے وہ بیکار ہو جاتی ہے۔

ذبحِ حیوانات میں بھی میرے نزدیک یہی حکمت ہے جس کو میں سمجھا ہوں کہ یہ بھی رقت بڑھانے کے واسطے ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ذبح سے قساوت (دل کی سختی) بڑھتی ہے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمانِ کامل سے زیادہ رحمدل کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور قصائی جو سخت دل ہوتے ہیں وہ اس لیے کہ وہ اپنے پیشے کی غرض کے لیے ذبح کرتے ہیں اگر ان کی پیشہ کی غرض درمیان میں نہ ہو تو ان سے زیادہ رحمدل کوئی نہ ہوتا۔

بہرحال غم کی حکمت یہ ہے کہ اس سے قلب کی رقت اور صفتِ رحمت تازہ ہوتی ہے اور یہ بڑی دولت ہے جو دین میں بھی کارآمد ہے اور دنیا میں بھی۔

تعزیت کی مدت:

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جس شخص پر اسبابِ غم وارد نہ ہوئے ہوں اس کو دوسروں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا، نہ اس کو دوسروں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔ یہ راز ہے طبعی غم میں مگر اس کی مدت تھوڑی ہے جس کی تعزیت کے لیے شریعت نے تین دن میعاد مقرر فرمائی ہے۔ اسی لیے تین دن کے بعد اہلِ شہر کو تعزیت

جائز نہیں کیونکہ غم تو ہلکا ہوگیا اب تعزیت کرنا نشتر مار کر مرہم پٹی کرنا ہے۔ جیسے ایک سرحدی چوروں کے ہاتھ سے زخمی ہوگیا تھا کسی ہندوستانی نے اس کی بڑی خدمت کی یہاں تک کہ اچھا ہوگیا تو سرحدی نے کہا کہ تم کبھی ہمارے وطن آؤ تو ہم تمہارے احسان کا بدلہ دیں گے۔ اتفاق سے یہ سرحد کی طرف گیا اور اس کا مہمان ہوا اور منتظر رہا کہ دیکھئے میرے احسان کا کیا بدلہ دیتا ہے۔ اس کی بیوی کو معلوم ہوا کہ یہ مہمان وہ ہندوستانی ہے جس نے شوہر کی خدمت کی تھی، تو اس نے اس سے کہا کہ اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ کیونکہ میرا خاوند تمہارا تذکرہ کرتا تھا کہ ایک ہندوستانی نے ہمارے ساتھ بڑا احسان کیا کہ ہم زخمی تھے ہم کو اچھا کیا اگر وہ یہاں آجائے تو ہم بھی اس کو زخمی کر کے خدمت اور مرہم پٹی کر کے اچھا کریں گے۔ وہ یہ سن کر بھاگا اور احسان کے بدلے سے باز آیا۔

تو جو لوگ تین دن کے بعد تعزیت کرتے ہیں وہ بھی تندرست دل کو زخمی کر کے مرہم پٹی کرتے ہیں ۔ البتہ باہر سے آنے والے کو تین دن کے بعد بھی تعزیت جائز ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تعزیت کو ضرورت پر محمول کرے گا اس لیے اس کے دل پر نشتر نہیں لگے گا بلکہ یہ غریب اگر تعزیت نہ کرے اور خاموش بیٹھا رہے تو صاحبِ واقعہ کو شکایت پیدا ہوگی کہ میرے غم کے متعلق ایک لفظ بھی ہمدردی کا نہ کہا پھر اس کے آنے سے کیا فائدہ ہوا۔ نیز آنے والے کا دل بھی سکوت سے منقبض ہوتا ہے اس کا دل تقاضا کرتا ہے کہ دو چار کلمے تسلی کے ضرور کہے۔ شریعت مقدسہ کی پاکیزگی ملاحظہ کیجئے کہ باہر سے آنے والے کو تین دن کے بعد بھی تعزیت کی اجازت دے دی تاکہ طرفین کے جذبات کی رعایت ہو جائے مگر اہلِ شہر کے لیے میعاد مقرر رہے۔

<u>غم غلط کرنے کا طریقہ:</u>

قاعدۂ عقلیہ ہے کہ اَلنَّفسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلیٰ شَیْئَیْنِ فِیْ اٰن وَاحِدٍ (ایک آن میں نفس دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔) پس تم اپنے ذہن کو دوسرے کاموں کی طرف متوجہ کرو، اپنا کاروبار شروع کر دو پھر غم کا غلبہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم نے ایسا بھی کیا مگر پھر بھی خیال آتا ہے تو میں اس کا بھی انکار نہیں کرتا، مگر جواب یہ ہے کہ جیسا غلبہ ابتداء میں تھا وہ ضرور کم ہو جائے گا۔

دوسرے اگر تم کو بخار آجاوے تو کیا کرتے ہو؟ دوا ہی پیتے ہو۔ اگر دوبارہ پھر آجاوے تو کیا کرو

گے؟ پھر بھی دوا ہی پیو گے تو ایسی ہی یہاں بھی برابر دوا کرتے رہو یعنی نفس کو دوسری طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

اب یہ سوال ہوگا کہ ہم کس خیال میں مشغول ہوں تو شریعت نے اس کو بھی حل کیا ہے اور یہ بھی دلیل ہے شریعتِ مقدسہ کے کامل ہونے کی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

یعنی مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے۔ غلام کو چاہئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے اس لیے ہم کو بھی اس موقع پر تصرف حق پر راضی رہنا چاہئیے۔ یہ تو عقلی جواب ہے اور عقلی دلیل ہے غم نہ کرنے کی اس کو سوچنا چاہئے۔

مگر بعض لوگ کمزور ہوتے ہیں ان کے قلب کو عقلی جواب سے اطمینان نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلّم کہ ہم حق تعالیٰ کی مِلک ہیں اور ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے مگر ہم کو میت سے خاص تعلق ہو گیا تھا اور اب مفارقت ہو گئی ہے۔ ان کے لیے دوسرا جواب ہے وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہ گھبراؤ نہیں تم بھی وہیں جانے والے ہو جہاں وہ گیا ہے تو مفارقت ہی ختم ہو جائے گی۔ یہ مفارقت چندروزہ ہے جیسا دنیا میں بھی بعض دفعہ سفر وغیرہ کی وجہ سے مفارقت ہو جاتی ہے۔

ناولوں کے مفاسد:

بہرحال تسلی کا طریقہ یہ ہے کہ غمزدہ کو نصیحت کرو کہ واقعہ کو از خود نہ سوچے بلکہ اپنے کام میں لگے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے مضمون کو سوچے، جب اس سے طبیعت ٹھہر جائے تو کتابیں دیکھنے لگے مگر شرط یہ ہے کہ مخربِ اخلاق ناول نہ دیکھے جائیں کیونکہ ان سے قلب کا ناس ہو جاتا ہے اور ان ناولوں سے برے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ حیا تو بالکل جاتی رہتی ہے اور بعضے مشہور گھرانوں میں ان ناولوں کی وجہ سے بڑے بڑے واقعات ہو گئے ہیں اور اس میں سارا قصور والدین کا ہے وہ ایسی کتابیں گھر میں کیوں گھسنے دیتے ہیں۔

شفیق باپ وہ چیز خود نہیں کھاتا جو بچوں کو مضر ہے۔ پس بڑوں کو لازم ہے کہ ناولوں کا دیکھنا چھوڑ دیں تا کہ بچے ان کے زہر سے بچے رہیں، بلکہ بجائے ان کتابوں کے حضرات انبیاء کے قصے اور بزرگوں کے حالات دیکھو۔

میں بقسم کہتا ہوں کہ ان حکایات میں بعض دفعہ ایک ہی حکایت رہبر ہو جاتی ہے۔ اس پر تعجب نہ کیجئے میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ بعض دفعہ ایک مختصر بات ہی رہبر ہو جاتی ہے۔ کانپور میں ایک بار میں ایک مکان میں بیٹھا تھا جو سڑک کے کنارے پر تھا کہ دو شخصوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی ایک شخص کسی کی شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ ایسی بھلائی کی اس طرح احسان کیا اور اس نے ہمیشہ میرے ساتھ برائی کی اب میں اس کو مزا چکھانا چاہتا ہوں۔ تو دوسرے نے کہا کہ تم بھلائی سے کیوں باز آتے ہو جب وہ برائی سے باز نہیں آتا۔ واقعی یہ بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے میرے دل پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ آج تک نہیں بھولا (مطلب یہ کہ وہ تو برائی پر جما ہے اور تم سے بھلائی پر بھی نہیں جما جاتا۔ حالانکہ بھلائی ایسی چیز ہے کہ اس پر ہمیشہ جما رہنا چاہئے)۔

پس تم بزرگوں کی حکایات اور انبیاء کے قصے دیکھو ان سے تمہارے دل کو بھی سکون ہوگا اور دین و دنیا بھی درست ہوگی۔ ایسی ہی کتابوں کے متعلق حضرت حافظ کا ارشاد ہے ؎

دریں دنیا رفیقے که خالی از خلل است

صراحی مے ناب و سفینۂ غزل است

ترجمہ: ان دنوں وہ دوست جو برائی سے خالی ہو صرف خالص شراب کی صراحی اور غزل کا سفینہ ہیں۔

مگر شرط یہ ہے کہ ان کتابوں کو بھی کسی محقق عالم سے تجویز کرا لو، اپنی رائے سے کسی کتاب کا مطالعہ نہ کرو۔ جائیے میں نے آپ کو اصلاح کا سستا نسخہ دے دیا کہ دین کی کتابوں اور بزرگوں کی حکایات کا مطالعہ کرو۔ انشاء اللہ اس سے بھی اصلاح ہو جائے گی۔ اگر اب بھی اصلاح نہ کرو تو یوں کہا جائے گا ؎

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی جو کسی قابل ہوتا

ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جو اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ بزرگوں کی حکایات کے مطالعے سے اصلاح ہو جاتی ہے تو ہم ان کو دیکھیں ہی گے نہیں۔ (باقی صفحہ نمبر ۸ پر)

روحانی اجتماع

پچھلے سال کی طرح امسال بھی خانقاہ اشرفیہ گلشن چشتیہ پوڑہ ضلع بٹگرام (ہزارہ) میں روحانی اجتماع منعقد ہوا۔ تصوف کے موضوع پر مختلف گدیوں کے عرس تو ہوتے رہتے ہیں جن میں سے اکثر تصوف کا معیاری نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہوتے ہیں جبکہ یہ اجتماع حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پختہ علمی اور گہرے تحقیقی تصوف کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اجتماع جناب حضرت اختیار الملک صاحب کی سرپرستی میں ہوا جو خانقاہ کے بانی ہیں۔ بندہ کو مع اپنے متعلقین کے شمولیت کی توفیق ہوئی۔ یہ اجتماع دراصل کئی محققین کی خانقاہوں کا اجتماع تھا چنانچہ اٹک سے جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب قادریہ کی خانقاہ، مانسہرہ سے حضرات ہاشمی برادران کی نقشبندیہ خانقاہ، راولپنڈی سے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی خانقاہ اور پشاور سے حضرت مولانا اشرفؒ کی خانقاہ کے اصحاب جمع تھے۔ اجتماع کی برکت سے بندہ کو اور اجتماع میں شامل ہونے والے حضرات کو مندرجہ ذیل مشائخ وعلماء کی زیارت اور صحبت نصیب ہوئی

(۱) حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، (۲) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (۳) حضرت مولانا از کیاء ہاشمی صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی (۴) حضرت مولانا ارشد الحسنی صاحب (۵) حضرت مولانا آصف صاحب (۶) حضرت پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم صاحب (۷) حضرت پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن صاحب (۸) حضرت پروفیسر ڈاکٹر نعمان صاحب

مواعظ حسنہ، مجالسِ درود شریف، ذکرِ جہری، اور پرسوز نعتوں سے دلوں میں زندگی اور جوش وخروش محسوس کیا۔ مجمع پر حال طاری ہوکر ھوحق کی فضاء قائم ہوئی اور روحانی حقائق جو خانقاہوں کا طرۂ امتیاز ہیں قلوب میں محسوس کیے۔ منتظمین نے مہمانوں کی خوب خدمت کی اور اجتماع کے انتظامات کو پورے نظم وضبط سے چلایا۔ اللہ تعالیٰ سلسلے کو آباد رکھے اور فیضِ عام وتام کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

جب سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (بخاری ومسلم)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخش دی اور ہم کو اسی کی طرف اُٹھ کر جانا ہے۔